AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com

Vol. 3, No. 1(2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

نذر سجاد حیدر کے ناول ”آہِ مظلوماں“ میں تانیثی شعور

FEMINIST CONSCIOUSNESS IN NAZR SAJJAD HYDER'S NOVEL AAH-E-MAZLOOMAN

نجیبہ منان

اُردو لیکچرار شعبہ اُردو ویمن یونیورسٹی صوابی

حمیرا بی بی

بی ایس اُردو ویمن یونیورسٹی صوابی

Abstract:

This study examines feminist ideas in Nazr Sajjad Hyder's novel Aah-e-Mazlooman. It explains the problems faced by women, including injustice, second marriage, family pressure, and lack of rights. The study shows how the writer presents women's feelings and social realities through her characters. It concludes that the novel is an important voice for women's dignity and equality in Urdu literature.

Keywords:

Feminism, Nazr Sajjad Hyder, *Aah-e-Mazlooman*, Women, Society, Women's Rights, Social Issues.

ادب زندگی کے مختلف پہلو جذبات احساسات اور مشاہدات کا حسین اظہار ہے ادب صرف فرد کے باطن نہیں بلکہ اپنے کی تہذیب تاریخ اور سماجی حالات کو محفوظ رکھتا ہے ادب زندگی کی وسیع ترین مسائل کا احاطہ کرتا ہے اور اس کے ذریعے پروان چڑھتا ہے۔ اُردو ادب میں ناول کی اہمیت بہت گہری اور مسلم ہے۔اُردو ناول وہ نثری صنف ہے جس نے انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں، جذبات احساسات، معاشی اور سماجی مسائل کو پیش کیا۔ڈاکٹر نعیم انیس اپنی کتاب میں ناول کی تعریف کے حوالے سے یوں تحریر کرتے ہیں کہ:

> ایک خاص طوالت کا نثری قصہ ناول ہے[i]

ناول کا آغاز اس وقت ہوا جب غدر کے بعد ہندوستان میں علم وفن اور تہذیب ومعاشرت کے اعتبار سے ایک نئے دور کی ابتدا ہو رہی تھی اُردو ناول کا آغاز نذیر احمد کے اصلاحی ناول "معراۃالعروس" سے ہوتا ہے۔وقار عظیم اپنی کتاب "داستان سے افسانے تک" میں فرماتے ہیں۔کہ:

> یہ صحیح ہے کہ نذیر احمد کے قصے اس مفہوم ناول نہیں ہے جو ہم نے مغرب سے لیا لیکن اس میں شبہ نہیں کہ ناول کی داغ بیل انہی قصوں نے ڈالی مراۃالعروس، بنات النعش میں اس سے بھی زیادہ توبتہ النصوح اور ابن الوقت اور پھر اس سے بڑھ کر فسانہ مبتلا میں آہستہ آہستہ وہ سارے خدوخال دکھائی دیتے ہیں جن سے ناول کی پیکر کی تخلیق وتعمیر ہوتی ہے[ii]

اُردو ناول کا پہلا دور اصلاحی دور مانا جاتا ہے جن میں مقصدیت اور اصلاح پسندی پر مبنی ناول لکھے گئے۔نذیر احمد کے علاوہ اس دور کے نمائندوں میں سرشار، شرر، محمد علی طبیب، منشی سجاد حسین، مرزاہادی رسوا، راشدالخیری اور پریم چند وغیرہ شامل ہیں۔دوسرے دور میں اصلاح پسندی کی جگہ حقیقت پسندی نے لی۔اس کے نمائندے کرشن چندر، عصمت چغتائی، احسن فاروقی قراۃالعین حیدر وغیرہ ہے۔ناول کا تیسرا دور قیام پاکستان سے شروع ہوتا ہے اس دور میں تقسیم ہند کے صدمے، ہجرت اور جاگیر دارانہ نظام کے استحصال کے خلاف آواز اٹھائی گئی اس کے نمائندے عبدالصمد، مشرف عالم زوقی، بانو قدسیہ جیسے ناول نگار ہیں۔

Vol. 3, No. 1(2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

تانیثیت عربی زبان کا لفظ "تانیث" سے نکلا ہے۔ جس کی معنی مؤنث کے ہیں۔ لفظ تانیثیت کا مفہوم ہر زبان میں الگ ہے۔ انگریزی میں جنسی برابری کے لیے، لاطینی میں عورت، فرانس میں عورتوں کے حقوق اور اُردو میں عورتوں پر ظلم کے خلاف آواز اٹھانا۔ اُردو ادب میں تانیثیت کی تعریف یوں ہے۔

> تانیثیت ان خواتین رہنماؤں کی صدائیں احتجاج ہے جنھوں نے مردوں کی بالادستی ان کے ظلم وستم اور جبر و استداد کے علاوہ اپنی محکومیت کے خلاف آواز بلند کی ہو۔[iii]

عورت کے بنیادی حقوق کے حصول کے لیے یورپ میں باقاعدہ تحریک چلی جس نے فیمینزم کی شکل اختیار کی۔ اس تحریک کے اثر دیگر یورپی تحریکوں کی طرح برصغیر کے ادب پر بھی پڑا۔ ۱۸۵۰ء سے قبل شروع ہونے والی یہ تحریک دنیا کے کونے کونے تک پھیلی۔ مغرب میں "ورجیناوولف" نے A room of ones own(۱۹۲۹) میں لکھی۔ جسے فیمینزم کی سنگ میل سمجھی جاتی ہے۔ برصغیر میں ترقی پسند تحریک کے زیر اثر اُردو ادب میں حقیقت نگاری کا آغاز ہوا۔ اس تحریک کا اثر خواتین پر بھی پڑا۔

۲۰ ویں صدی میں اس تحریک کو مشرق میں کامیابی حاصل ہوئی۔ جس کا اثر خواتین پر پڑا۔ رشید جہاں پہلی خاتون تھیں جنہوں نے قلم اٹھایا اور اُردو ادب میں تانیثیت کی بنیاد رکھی۔

تعلیم نسواں اور حقوقِ نسواں کی تحریک میں اُردو کی خواتین ناول نگاروں میں سجاد حیدر کا نام اہمیت کا حامل ہے۔ اپنی ادبی زندگی کی شروعات انہوں نے بیسویں صدی کی پہلی دہائی میں کی۔ اگرچہ اس زمانے میں ہندوستان کی عوام کے لیے کئی اصلاحی تحریکیں پنپ رہی تھیں۔ اور لوگوں میں بیداری پھیلانے کے لیے اُردو کے حساس ادیبوں نے بھی اپنی تحریروں کے ذریعے سے اس کی کوشش کو جاری رکھا۔ نہ صرف مرد بلکہ خواتین ادیبوں نے بھی اپنے طبقے کی صورتحال پر غور و فکر کر کے ان کی بیداری اور ترقی کے لیے اپنے قلم کو حرکت دی۔۔ اس طرح رفتہ رفتہ حقوق نسواں کی حمایت میں اٹھنے والی آوازیں زور پکڑتی گئیں۔ یہی وہ زمانہ تھا جب خواتین مغربی تعلیم سے فیض اٹھانے کی کوششوں میں مصروف دکھائی دیتی ہیں۔ اپنے طبقے کی بدحالی کے وجوہات کا راز باقاعدہ طور پر اب ان پر افشا ہونے لگا تھا، اس لیے انہوں نے خواتین کو اپنے مسائل سے واقف کرانے اور ان کا حل تلاش کرنے کی غرض سے اپنے قلم کے ذریعے جدوجہد شروع کیں۔ اور ان ہی خواتین میں مشہور فکشن نگار قرۃ العین حیدر کی والدہ نذر سجاد حیدر کا نام بھی شامل ہے۔ انہوں نے اُردو ناول کی دنیا میں جتنا بھی سرمایہ چھوڑا ہے وہ معاشرے اور بالخصوص عورتوں کی اصلاح کے تحت تحریر کیا گیا تھا۔

نذر سجاد میں حیدر اپنی ادبی زندگی میں کے تقریباً ۲۰۰ کے قریب افسانے اور ۸ ناول لکھے۔ اُنہوں نے اپنے ناولوں میں عورت کی زندگی، تعلیم کی کمی، عورت کی مظلومیت، بے جا آزادی، پردے کی بے جا پابندی، مرد کی کثیر ازدواجی اور بغیر مرضی کی شادی کے خراب نتائج اور ان کے نقصانات کو بیان کیا ہے۔

اُردو کی معروف افسانہ وناول نگار نذر سجاد حیدر کا ناول "آہِ مظلوماں" محض قصہ گوئی نہیں ہے، بلکہ یہ اس عہد کی معاشرت میں عورت کے پسے ہوئے طبقے کی وہ چیخ ہے جسے سماج نے تقدیر اور مصلحت کا نام دے کر دبا دیا تھا۔ ان کی تحریر میں تانیثی شعور جذباتی نعروں کے بجائے انسانی رشتوں کی نفسیات اور سماجی جبر کے تانے بانے سے بُنا گیا ہے۔۔ نذر سجاد کے ناولوں کے حوالے سے قمر رئیس لکھتے ہیں:

> ان کے ناول اعلیٰ متوسط طبقہ اور رومانی فضا سے تعلق رکھنے کے باوجود محبت، شادی بیاہ، اعلیٰ تعلیم اور دوسرے میدانوں میں عورت کے انسانی حقوق پر اصرار کرتے ہیں۔ قدامت پسند بزرگوں کی بے جا مداخلت سے اور نوجوانوں کی مرضی کے بغیر شادی سے ازدواجی زندگی میں کس طرح کی تلخیاں اور الجھنیں جنم لیتی ہیں اسے وہ دکھاتی ہیں۔[iv]

نذر سجاد حیدر کا ناول "آہِ مظلوماں" سماجی و خانگی منظرنامے کی عکاسی کرتا ہے جہاں پدرشاہی نظام اپنی پوری قوت کے ساتھ نافذ تھا۔ اس نظام کے تحت عورت صرف جسمانی یا معاشی طور پر ہی محکوم نہیں تھی، بلکہ اس کی روح اور نفسیات بھی شدید طور پر متاثر ہو رہی تھیں۔ پدر شاہی نظام کا سب سے پہلا وار عورت کے احساسِ تحفظ پر ہوتا ہے۔ جب معاشرہ یہ طے کر دیتا ہے کہ عورت کا اپنا کوئی گھر نہیں اور اس کی حیثیت ایک مستعار وجود کی ہے تو اس کے اندر ایک مستقل خوف جنم لیتا ہے۔ نذر سجاد حیدر نے اس ناول میں عورت کا عورت پر ظلم اور مرد کی دوسری شادی کے خراب نتائج کو متوسط طبقے کی "زبیدہ" اور اعلیٰ طبقے کی سلطنت آرا" کے زریعے بیان کیا ہے ۔ ناول میں زبیدہ پدرسری سماج کے مکمل عکاس ہے۔ جو اپنی جہالت کے ساتھ سماجی اقدار اور مشرقی روایات کے پاسدار نظر آتی ہے۔ زبیدہ کا معمولی باتوں پر ساس کے

Vol. 3, No. 1(2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

قدموں میں گر جانا اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ ایک دائمی خوف کا شکار ہے۔ یہ خوف معاشی سے زیادہ نفسیاتی ہے۔ کہ اگر اس گھر سے نکال دی گئی تو میرا کیا ہو گا؟ نذر سجاد حیدر نے جو سوال اٹھایا کہ کیا عورت کا اپنا کوئی وجود یا گھر نہیں؟ وہ دراصل اسی نفسیاتی بحران کی نشاندہی ہے۔ جب ایک عورت کو بار بار یہ باور کرایا جائے کہ وہ اپنے طور پر کچھ نہیں ہے، تو وہ آہستہ آہستہ شدید احساسِ کمتری کا شکار ہو جاتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ عورت اپنی اس محکومیت کو اپنی تقدیر اور صنف کا ناگزیر حصہ سمجھ کر قبول کر لیتی ہے، جو کہ تانیثی شعور کی موت ہے۔ نذر سجاد حیدر نے "آہِ مظلوماں" میں محض سماجی ناانصافی کی داستان بیان نہیں کی، بلکہ انہوں نے اس خانگی جبر کے نتیجے میں عورت کے اندر ٹوٹنے والے نفسیاتی تاروں کی جھنکار کو محفوظ کیا ہے۔ وہ دکھاتی ہیں کہ پدر شاہی نظام کس طرح عورت کو ایک آزاد انسان سے گھٹا کر ایک سہمے ہوئے، بے اختیار اور نفسیاتی طور پر پامال وجود میں تبدیل کر دیتا ہے۔ ناول میں ایک مقام پر زبیدہ کی بے بسی اور ساس کے ظالمانہ رویے کی عکاسی ان الفاظ میں ہوتی ہے:

زبیدہ: (رو کر) اماں جی معاف کر دیں ابھی پکائے دیتی ہوں۔

آبادی: چل چل دور ہو، اب تو پکا چکی اور میں کھا چکی۔ خدا نہ روزی کرے تجھے اس چولہے پاس بیٹھنا۔ تو ہمارے کام سے گھبرا گئی ہے تو ہم بھی تجھ سے اب گھبرا گئے ہیں۔ دور ہو جا میری نظروں سے۔"

زبیدہ: (قدموں پر گر کر) اماں جان، آج کی خطا معاف کرو۔۔۔ میں تمہاری نظروں سے دور ہو کر کہاں جاؤں۔ سوائے تمہارے میرا کہاں ٹھکانہ ہے؟[v]

زبیدہ کے کردار سے نذر سجاد حیدر نے تانیثی شعور کے ایک تلخ پہلو کو اجاگر کیا ہے جہاں ایک عورت ہی دوسری عورت کی دشمن بن کر سامنے آتی ہے۔ آبادی بیگم (زبیدہ کی ساس) اپنے بیٹے کے دوسری شادی کروا کر زبیدہ کو پرانے گھر بیچ دیتی ہے۔ مشرق کی روایتی عورتوں کی طرح زبیدہ ہر ظلم کو چپ کر سہتی ہے اور اپنے شوہر اور ساس کی خدمت کرتی ہے جو اس دور کی شرفا عورتوں کا دستور تھا ہدایت اللہ کی بیوی (آبادی بیگم) کا اپنی بہو (زبیدہ) کے ساتھ سلوک اس ذہنی غلامی کی عکاسی ہے جو پدر شاہی نظام نے عورتوں کے ذہنوں میں راسخ کر دی ہے۔ ساس کا اپنی بہو کو منحوس سمجھنا اور اسے معمولی باتوں پر جھڑکنا دراصل اس اقتدار کی جنگ ہے جو ایک عورت اپنے گھر کی محدود حدود میں دوسری عورت پر غلبہ پا کر جیتنا چاہتی ہے۔ ناول کے متن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اس دور میں عورت کی پہچان صرف مرد کے حوالے سے تھی۔ جب زبیدہ کو اس کی ساس گھر سے نکالنے کی دھمکی دیتی ہے تو زبیدہ کا قدموں میں گر کر معافی مانگنا اس کے معاشی اور سماجی عدم تحفظ کو ظاہر کرتا ہے۔ وہ جانتی ہے کہ اس گھر کے باہر اس کی کوئی پناہ گاہ نہیں ہے۔ نذر سجاد حیدر نے یہاں بہت خاموشی سے یہ سوال اٹھایا ہے کہ کیا عورت کا اپنا کوئی وجود یا گھر نہیں؟ یہی سوال "جمیلہ ہاشمی "اپنے ناول "تلاش بہاراں" میں کنول کماری کے ذریعے اٹھاتی ہے۔ کیا عورت کا مرد کے بغیر اپنی کوئی پہچان نہیں:

تم لوگ عورت کو اپنے لیے ہی کیوں دیکھتے ہو کہ وہ مرد کے لیے زندہ ہے اس کی اپنی کوئی زندگی کیوں نہیں اس کا اپنا ایک الگ وجود ہے تم اس کو دیکھو گے تو بیٹی کی حیثیت سے بہن بنا کر بیوی اور ماں کی طرح کیا عورت ان حالتوں کے علاوہ عورت نہیں ہے اور وہ گھر بہن بیوی بیٹی کے رشتوں سے بلند ہو کر نہیں رہ سکتے تم نے اپنی عقل کو جو پیمانے بنا لیے ہیں انہیں عورت کی شرافت اس کی عزت اور اس کی ہستی کے ناپنے کے لیے کیوں مقرر کرتے ہو۔[vi]

مصنفہ اپنے دور کی ایک بیدار مغز تانیثی لکھاری تھیں۔ ان کا تانیثی شعور مغربی تانیثیت کی اندھی تقلید نہیں بلکہ مشرقی معاشرے کے اندر موجود ان ناسوروں کی نشاندہی ہے جو عورت کی شخصیت کو مسخ کر دیتے ہیں۔ وہ دکھاتی ہیں کہ عورت کی مظلومیت صرف مرد کی وجہ سے نہیں بلکہ اس نظام کی وجہ سے ہے جس نے عورت کو بے زبان، بے گھر اور بے اختیار بنا رکھا ہے۔ ناول میں عورت کے جذبات اپنی مستقل شناخت کے لیے تڑپتے نظر آتے ہیں۔ وہ کسی کی بیٹی ہے کسی کی بیوی ہے، یا کسی کی بہو، اس کا اپنا "میں" کہیں گم ہے۔ ناول کا عنوان ہی "آہِ مظلوماں" اس بات کی دلیل ہے کہ یہ ان عورتوں کے سسکتے ہوئے احساسات کی داستان ہے جنہیں خود اپنے وجود پر اختیار حاصل نہیں۔ "آبادی بیگم" کے خاندان کے زوال کی داستان تانیثی شعور کے ایک اور پہلو یعنی معاشی خود مختاری کی کمی کو اجاگر کرتی ہے۔ ہدایت اللہ کے انتقال کے بعد جس طرح خاندان بکھرتا ہے اور خواتین (عزیز دلہن اور خورشید) فاقہ کشی اور کسمپرسی کی حالت میں پہنچ جاتی ہیں، وہ یہ بتانے کے لیے کافی ہے کہ اس دور میں عورت کا وجود صرف مرد کی چھت تک محدود تھا۔ زبیدہ کا مکالمہ ملاحظہ کیجیے:

اماں جی! میں تمہاری ویسی ہی تابعدار کنیز ہوں۔ میری بد قسمتی تھی کہ کچھ دنوں کو خدمت سے بھی روک دی گئی تھی۔[vii]

یہاں کنیز اور باندی جیسے الفاظ اس غلامانہ ذہنیت کی نشاندہی کرتے ہیں جو عورت کو اپنی ہی ماں یا خاندان میں ایک ماتحت درجے پر رکھتی ہے۔ زبیدہ کا اپنی ہی ساس یا ماں کے سامنے یہ کہنا کہ میں تمہاری ویسی ہی تابعدار کنیز ہوں تانیثی نقطہ نظر سے انتہائی واشگاف اور ہولناک ہے۔ کنیز، باندی اور لونڈی جیسے الفاظ کا استعمال یہ ثابت کرتا ہے کہ عورت نے مردانہ ساختہ نظام کی اصطلاحات کو اس حد تک اپنے لاشعور کا حصہ بنالیا ہے کہ وہ خود کو ایک آزاد انسان کے طور پر دیکھ ہی نہیں پاتی۔ جب مظلوم خود اپنی زبان سے اپنی محکومیت کا اقرار کنیز بن کر کرے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ جبر صرف بیرونی نہیں رہا بلکہ وہ عورت کی ذات کے اندر سرایت کر چکا ہے۔

ناول کے دوسری کردار کو دیکھا جائے تو ڈپٹی صاحب اور سلطنت آرا جو باشعور اور تعلیم یافتہ خاتون ہیں۔ لیکن مرزا عزیز الرحمن (ڈپٹی صاحب) کا رویہ اس دور کے روایتی شوہر کی عکاسی کرتا ہے جو بیوی کو زندگی کا سفر تو سمجھتا ہے لیکن فیصلوں میں شریکِ کار نہیں سمجھتا۔ مصنفہ نے دکھایا ہے متوسط طبقہ ہو یا اعلیٰ گھر میں عورت کی حیثیت ثانوی ہے۔ ڈپٹی صاحب کا اپنی بیگم کو بتائے بغیر تبادلے کا فیصلہ کر لینا اور بیگم کا شوہر کی پریشانی دیکھ کر گھلنا، اس عدم مساوات کو ظاہر کرتا ہے جہاں مرد فیصلہ ساز ہے اور عورت صرف تابع فرمان۔ یہاں تانیثی شعور اس صورت میں ابھرتا ہے کہ بیگم اپنے شوہر سے ہمکلام ہونے کی جرات کرتی ہے:

خدا کے لیے آپ مجھے آگاہ کیجئے۔ دو ہفتے سے آپ کی ایسی حالت دیکھ کر میں دل ہی دل میں گھلی جاتی ہوں۔[viii]

یہ جملہ محض محبت نہیں بلکہ اس حق کی تلاش ہے کہ وہ اپنے گھر کے معاملات اور اپنے شوہر کی زندگی میں ایک برابر کی شریکِ حیات سمجھی جائے۔ مگر مرد کی انا یا پدر شاہی سوچ اُسے اس لائق نہیں سمجھتی کہ اسے اپنے فیصلوں سے آگاہ کرے۔ یہاں عورت کا جذباتی احساس یہ ہے کہ وہ ایک ہی چھت کے نیچے رہ کر بھی اجنبی ہے۔ اس کی حیثیت محض ایک متبادل یا تابع وجود کی ہے، جس کا کام صرف مرد کے فیصلوں پر سرِ تسلیم خم کرنا ہے۔ اگرچہ دونوں کے درمیان گہری محبت ہوتی ہے۔ لیکن ان کے درمیان زریں نامی ایک عورت آجاتی ہے اور ڈپٹی صاحب سلطنت آرا کو حیلے بہانوں سے میکے بھیج کر ان سے شادی کر لیتے ہیں۔ سلطنت آرا کو شادی کی خبر مل جاتی ہے۔ ڈپٹی صاحب کے پاس آجاتی ہیں اور زری کی طرح طرح کے الزامات برداشت کرتی ہیں۔ نذر سجاد حیدر نے واضح کیا ہے کہ دوسری شادی صرف ایک سماجی فعل نہیں بلکہ ایک عورت کی پوری کائنات کو مسمار کر دینے والا عمل ہے۔ مصنفہ نے روایتی مردانہ بیانیے کے برعکس عورت کے دل کی ہوک اور اس کی نفسیاتی جنگ کو زبان دی ہے۔ تانیثی شعور کا یہ ارتقائی روپ ہمیں بتاتا ہے کہ گھر کی چار دیواری کے اندر ہونے والے مظالم کسی جنگ سے کم نہیں ہوتے جہاں مظلومہ کے پاس ہتھیار کے طور پر صرف اس کے آنسو اور اس کی خاموشی ہوتی ہے۔ یہ اس حقیقت کو بھی بے نقاب کرتی ہے کہ معاشرہ جتنا بھی بدلے جب تک عورت کی حیثیت شوہر کی جاگیر سے بدل کر ایک آزاد انسان کی نہیں ہو گی "آہ مظلوماں" کی صدائیں یونہی سنائی دیتی رہیں گی۔ نذر سجاد حیدر نے اس ناول میں عورت کو ایک ایسے وجود کے طور پر پیش کیا ہے جس کی خوشیاں، صحت اور یہاں تک کہ زندگی بھی مرد کے فیصلوں کی مرہونِ منت ہے۔

آپ کو کیا معلوم گھر میں کیا کیا ہوا۔ جس وقت آپ اندر آتے ہیں۔ وہ مجھ پر مہربان ہو جاتی ہیں اور آپ کے پیچھے جس جس طرح مجھے جلایا اور ستایا جاتا ہے۔۔۔ میری نوکروں سے کہتی ہیں کہ تمہاری بیوی کو ہم جانتے کیا ہیں۔[ix]

یہ اقتباس اس تذلیل کو نمایاں کرتا ہے جہاں دوسری عورت کا وجود پہلی کے لیے محض رقیب نہیں بلکہ اس کی سماجی حیثیت کے لیے خطرہ بن جاتا ہے۔ دوسری بیوی کے آنے کے بعد پہلی بیوی کی حیثیت گھر میں ایک گھس بیٹھیے جیسی کر دی جاتی ہے۔ کہ دوسری شادی کے بعد مرد کی توجہ کی تقسیم پہلی بیوی کے لیے ایک ذہنی اذیت بن جاتی ہے، جو اسے اندر سے کھوکھلا کر دیتی ہے۔

ناول نگار نے یہ دکھایا ہے کہ کس طرح دوسری بیوی کا آنا پہلی بیوی کی برسوں کی قربانیوں اور اس کی گھریلو حیثیت کو نوکروں کے سامنے بھی مشکوک بنا دیتا ہے۔ تانیثی غیرت کا یہ پہلو زریں کے ان کلمات سے عیاں ہوتا ہے جب وہ کہتی ہے کہ جس جس طرح مجھے جلایا اور ستایا جاتا ہے۔۔۔ میری نوکروں سے کہتی ہیں کہ

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com

Vol. 3, No. 1(2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

تمہاری بیوی کو ہم جانتے کیا ہیں۔۔۔رہتی سہتی آئی، گھر گھساؤں کہلائی۔ یہاں اس تکلیف دہ صورتحال کو بیان کرتا ہے جہاں عورت کو اس کے اپنے ہی گھر میں اجنبی یا بوجھ بنادیا جاتا ہے۔

مصنفہ نے دکھایا ہے کہ مرد کی ایک غلطی (دوسری شادی) کس طرح عورت کو موت تک لے جاتی ہے۔لہٰذا یہ کہنا مناسب ہے کہ نذر سجاد حیدر نے "آہِ مظلوماں" میں عورت کو صرف روتے ہوئے نہیں دکھایا بلکہ ان کی آہ میں ایک ایسی کاٹ رکھی ہے جو اس عہد کے فرسودہ نظام کو جھنجھوڑتی ہے۔ان کا تانیثی شعور جذباتی ہونے کے ساتھ ساتھ انسانی بنیادوں پر استوار ہے جہاں وہ عورت کو ایک ایسی مظلومہ کے طور پر پیش کرتی ہیں جس کے پاس زبان نہیں مگر اس کا حالِ زار پورے معاشرے کے لیے ایک سوالیہ نشان ہے۔ بیسویں صدی کے اوائل کے برصغیر میں اصلاحِ معاشرت کے حوالے سے جو ناول لکھے گئے ان میں نذر سجاد حیدر کا ناول "آہِ مظلوماں" ایک منفرد اور جرات مندانہ حیثیت رکھتا ہے۔اس ناول کا ایک بنیادی فکری محور معاشرے میں رائج دوسری شادی کا رجحان اور اس کے نتیجے میں خانگی و سماجی زندگی میں پیدا ہونے والا انتشار ہے۔ناول میں یہ تصور ابھرتا ہے کہ پدرشاہی معاشرے میں گھر یا مکان کو عورت کی سلطنت سمجھا جاتا ہے جہاں وہ اپنی شناخت قائم کرتی ہے۔مرد کی دوسری شادی اس سلطنت پر ایک غاصبانہ حملے کی مانند ہوتی ہے۔گھر کا وہ توازن جو پہلی بیوی کی مرضی اور انتظام سے قائم تھا وہ یکسر تباہ ہو جاتا ہے۔مکان اب سکون کا گہوارہ نہیں رہتا بلکہ ایک ایسی جنگ گاہ بن جاتا ہے جہاں پہلی بیوی کی تذلیل نوکروں کے سامنے بھی مباح ہو جاتی ہے۔ناول "آہِ مظلوماں" محض ایک کہانی نہیں بلکہ بیسویں صدی کے اوائل میں ابھرنے والے اس نسائی کرب کی آواز ہے جسے سماج نے صبر کی چادر تلے چھپا رکھا تھا۔ناول میں "آہِ مظلوماں" کا عنوان بذاتِ خود ایک تانیثی فریاد ہے۔ متن سے واضح ہوتا ہے کہ عورت کی جسمانی خدمت گزاری سے بڑھ کر اس کی نفسیاتی اذیت کو محسوس کرنے کی ضرورت ہے۔مصنفہ نے ان مردوں کو کٹہرے میں کھڑا کیا ہے جو عورت کی فریاد کو غصہ یا نافرمانی سمجھ کر ٹال دیتے ہیں۔

اے ہم بے بسوں کی قسمتوں کے مالکو! اللہ اس طرف بھی توجہ کرو۔ سوچو تو ان مظلوموں میں بھی جان ہے۔۔۔ہم جو فریاد کریں آپ خفا ہوتے ہیں، رحم کی جا تمہیں آجاتا ہے غصہ الٹا۔[x]

اس ناول کے اقتباسات یہ بتاتے ہیں کہ اس دور کی عورت سماجی زنجیروں میں جکڑی ہونے کے باوجود اپنی قدر و قیمت سے آگاہ ہونا شروع ہو گئی تھی۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ اس کی شرافت کو اس کی کمزوری سمجھ کر اس پر دوسری شادیاں اور معاشی بوجھ لادے جا رہے ہیں۔ بنتِ نذرالباقر کی یہ تحریر اس عہد کی عورتوں کے دل کی وہ آہ ہے جو آج کے جدید تانیثی شعور کی بنیاد بنی۔

ناول کا اختتام ایک ایسے اشعار پر ہوتا ہے جو قاری کے دل پر تانیثی شعور کی آخری مہر ثبت کر دیتا ہے۔ یہ اشعار ثابت کرتے ہیں کہ جب تک سماجی ڈھانچے میں عورت کو صرف راہبر (مرد) کی مرضی پر چھوڑا جائے گا تب تک اس کی زندگی آفتوں کا شکار رہے گی۔

مبتلا جب ہم آفتوں میں ہیں
کس طرح تم کو راہبر جانیں
کثرت ازدواج جب ہو دور
تب تمہیں ہم رفارمر جانیں[xi]

یہ اشعار تانیثی شعور کے حوالے سے ایک اہم دستاویز ہے۔ یہ محض ایک کہانی نہیں بلکہ انیسویں صدی کی ہندوستانی عورت کے دکھوں، اس کی قربانیوں اور سماجی ڈھانچے کے خلاف ایک دھیمی مگر گہری آواز ہے جو قاری کو عورت کے انسانی حقوق پر غور کرنے کی دعوت دیتی ہے۔

بیسویں صدی کا اوائل خصوصاً ۱۹۰۱ء سے ۱۹۳۰ء تک کا دور برصغیر کے سماجی اور ادبی منظرنامے پر ایک بڑی فکری تبدیلی کا پیش خیمہ تھا۔ یہ وہ وقت تھا جب مسلم معاشرے میں سرسید احمد خان کی تعلیمی تحریک کے اثرات خانگی سطح پر پہنچ رہے تھے، اور حقوقِ نسواں اور اصلاحِ نسواں کی باقاعدہ لہریں جنم لے رہی تھیں۔ اس تاریخی اور سماجی پس منظر میں نذر سجاد حیدر کا ناول "آہِ مظلوماں" اس دور کی تانیثی بیداری کا ایک اہم ترین ادبی دستاویزی ثبوت ہے۔

حوالہ جات:

i نعیم انیس،ڈاکٹر،اکیسویں صدی میں اردوناول، مسلم انسٹی ٹیوٹ،کلکتہ،۲۰۱۶،ص،۱۱۵

ii وقار عظیم،داستان سے افسانے تک،سلطانیہ بک ڈپو،دہلی،۱۹۶۶،ص،۵۸

iii مشتاق احمد وانی،ڈاکٹر،اردوادب میں تانیثیت،ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی،۲۰۱۳،ص۳۹

iv اردو میں نسائی ادب کا منظر نامہ۔مرتبہ:قیصر جہاں،پبلیکیشن ڈویژن علی گڑھ مسلم یونیورسٹی،۲۰۰۴ء،ص۱۷

v نذر سجاد حیدر، آہِ مظلوماں،گلزار محمدی پریس،لاہور،۱۹۱۸،ص،۸

vi جمیلہ ہاشمی،تلاش بہاراں،راجدھانی پبلشرز،چھڈی گڑھ،۱۹۶۱،ص ۱۷۵

vii نذر سجاد حیدر، آہِ مظلوماں،گلزار محمدی پریس،لاہور،۱۹۱۸،ص ۳۴،۳۳

viii ایضاً،ص ۴

ix ایضاً،ص ۳۹

x ایضاً،ص ۸۲

xi ایضاً،ص ۹۳